AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www.al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

بزرگ علوی: معروف فارسی فکشن نگار

Bozorg Alavi, A Famous Persian Fiction Writer

Muhammad Arsalan
BS Scholar, Department of Persian, University of the Punjab, Lahore
muhammadarsalanarsel@gmail.com

Dr. Naseem Ur Rehman
Assistant Professor, Department of Persian, University of the Punjab, Lahore
naseem.persian@pu.edu.pk

Abstract

Deep human feelings, inner experiences, and emotional struggles have always been the main source of creating art. To share these intense inner emotions with others, the fiction has always proven to be the most effective medium. The history of modern Persian fiction changed the traditional way of thinking and started a new era of social and psychological realism. In this landscape of Persian fiction, Bozorg Alavi emerged as a brilliant creator who shaped his life events, the bitterness of political imprisonment, and the ups and downs of his married life into art. This article covers different aspects of Bozorg Alavi's life, focusing on his valuable teaching career at Humboldt University in Germany, his leadership of the Persian Studies, and literary contributions.

Keywords:
Persian Literature, Bozorg Alavi, Short Story, Persian, Modern Persian fiction

انسان اور کہانی کا رشتہ اتنا ہی قدیم ہے جتنی خود انسانی تہذیب و تمدن کی تاریخ۔ فطرتِ انسانی کا یہ خاصہ رہا ہے کہ وہ اپنے جذبات، مشاہدات، خوابوں اور اندیشوں کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے کسی نہ کسی بیانیے کا سہارا لیتی ہے۔ ادب کی دنیا میں یہ بیانیہ جب تخلیقی اور فنی روپ دھارتا ہے، تو معاشرے کا عکاس بن جاتا ہے۔ ابتدا میں یہ عکاسی اساطیری قصوں، دیومالائی داستانوں اور لوک کہانیوں کی صورت میں ظاہر ہوئی، جن کا مقصد تفریح کے ساتھ ساتھ اخلاقی اقدار کی منتقلی تھا۔ جیسے جیسے انسانی شعور نے ترقی کی اور سماجی زندگی میں پیچیدگیاں پیدا ہوئیں، ویسے ہی کہانی نے بھی اپنا اسلوب اور ہیئت بدلی۔ یہیں سے ادب میں ایک ایسی صنف کی ضرورت محسوس کی گئی جو جدید انسان کی تیز رفتار زندگی اور اس کے نفسیاتی الجھاؤ کو کم سے کم وقت میں اور پوری شدت کے ساتھ پیش کر سکے۔

چنانچہ انیسویں اور بیسویں صدی کے صنعتی و فکری انقلاب نے دنیا کو ایک نئی ادبی صنف سے متعارف کروایا، جسے ہم "افسانہ" کہتے ہیں۔ طویل، مافوق الفطرت اور روایتی داستانوں کے برعکس، جدید افسانے نے زمین پر رہنے والے گوشت پوست کے انسان، اس کے روزمرہ کے مسائل اور اس کی اندرونی کشمکش کو اپنا موضوع بنایا۔ افسانے کی سب سے بڑی خوبی اس کی تاثیر اور اختصار پسندی ہے۔ یہ صنف زندگی کے کسی ایک اہم پہلو، ایک واقعے یا ایک نفسیاتی لمحے کو اس طرح گرفت میں لیتی ہے کہ قاری کے دل و دماغ پر ایک گہرا نقش چھوڑ جاتی ہے۔ مغرب میں کافکا اور موپساں جیسے قلم کاروں نے اس صنف کو وہ فنی عروج بخشا جس نے دیکھتے ہی دیکھتے مشرقی ادبیات کو بھی اپنے سحر میں جکڑ لیا۔ فارسی افسانے کی ابتدا انیسویں صدی عیسوی کی تیسری دہائی کے آغاز میں ہوئی۔ اس بارے میں علی قاسم نژاد لکھتے ہیں:

"داستان کوتاه در نخستین سال‌های سدهٔ چهاردهم خورشیدی پا به قلمرو ادبیات فارسی نهاد" [۱]

ان ابتدائی سالوں میں ہی ہمیں تین بڑے افسانہ نگار ملتے ہیں جنھوں نے بعد میں آنے والوں کے لیے فارسی افسانے کی تابندہ روایت قائم کی۔ پہلی شخصیت محمد علی جمالزادہ(۱۸۹۲–۱۹۹۷ء) کی ہے۔ڈاکٹر ظہور الدین احمد نے محمد علی جمالزادہ کو ایرانی افسانے کا بانی کہا ہے:

"ایران میں افسانہ نویسی کے مؤسس محمد علی جمالزادہ ہیں۔جنھوں نے ۱۳۳۹ق میں اپنی چھ کہانیوں کا مجموعہ "یکی بود و یکی نبود" کے عنوان سے برلن میں شائع کیا[۲]۔"

جمالزادہ نے اپنا پہلا مجموعہ ۱۹۲۱ء میں شائع کیا[۳]۔ جمالزادہ نے فارسی نثر کو ایک نئی راہ دکھائی جو دلچسپ اور زمانے کے مزاج کے مطابق تھی چنانچہ نئے لکھنے والوں نے اس راہ کو پسند کیا۔انھوں نے فارسی نثر کو کلاسیکی گراں باری اور تکلفات سے نجات دلا کر جدید افسانے کی بنیاد رکھی۔ڈاکٹر محمد استعلامی اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

"اس (جمالزادہ) کی کتاب "یکی بود و یکی نبود" کی دلچسپ کہانیاں معاشرے کے مسائل بیان کرنے کی وجہ سے بہت نمایاں ہوئیں اور اس کی شہرت کا سبب بنیں۔ اس کے بعد ایرانی ایک نئے راستے پر چل پڑے اور جہاں تک ممکن تھا، انھوں نے ایک پسندیدہ نظام وجود میں لانے کی کوشش کی اور کہا جا سکتا ہے کہ ایران کی فضا میں ایک دوسرا نظام وجود پذیر ہو گیا۔"[۴]

دوسرے بڑے افسانہ نگار جو ابتدائی دور میں سامنے آئے، صادق ہدایت(۱۹۰۳–۱۹۵۱ء) ہیں۔ان کا پہلا افسانوی مجموعہ "زندہ بہ گور" ۱۹۳۰ء میں شائع ہوا[۵]۔ صادق ہدایت نے انسانی وجود کے اندھیروں اور نفسیاتی گہرائیوں کو چھو کر فارسی فکشن کو عالمی معیار کے ہم پلہ کر دیا۔اسی عرصہ میں ایک تیسرے افسانہ نگار بزرگ علوی نے بھی اپنی درخشندہ تحریروں سے فارسی ادب کی اس نوخیز شاخ کو سینچا۔ بزرگ علوی کا پہلا افسانوی مجموعہ "چمدان" ۱۹۳۴ء میں شائع ہوا[۶]۔

علوی نے فارسی افسانے کو جدید انسانی تقاضوں سے جوڑتے ہوئے اسے جدید دور کے بدلتے ہوئے سیاسی و سماجی تقاضوں کے سانچے میں ڈھال دیا۔ انھوں نے فارسی فکشن نگاری کو آگے بڑھاتے ہوئے اسے وقت کے سخت گیر حالات، طبقاتی جدوجہد اور انسانی نفسیات کے گہرے تلاطم کا مظہر بنا دیا۔ ان کا شاہکار مجموعہ "چمدان " اسی ادبی تسلسل کا وہ پختہ ثمر ہے جس نے ثابت کیا کہ بزرگ علوی اسی روایت کو آگے چلانے والے وہ ناگزیر معمار ہیں جنہوں نے فارسی افسانے کو ایک نئی فکری جلا بخشی۔

بزرگ علوی کا اصل نام سید مجتبیٰ تھا۔ وہ ۲ فروری ۱۹۰۴ء کو تہران میں پیدا ہوئے[۷]۔ان کا خاندان ایک معزز اور سیاسی طور پر بیدار خاندان تھا۔ ان کے والد حاج سید ابوالحسن مشروطہ تحریک کے اہم ستون تھے[۸]۔اس ماحول نے ان کی شخصیت میں حق گوئی اور سیاسی بصیرت کی بنیاد رکھی۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www.al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

بزرگ علوی نے تہران کے معروف تعلیمی اداروں جیسے "فرہنگ"، "اقدسیہ" اور "دارالفنون" سے علم حاصل کیا[۹]۔ اس دور میں "دارالفنون" ایران کا وہ جدید تعلیمی مرکز تھا جہاں مغربی طرزِ تعلیم کے مطابق سائنس، علوم اور ادبیات کی تدریس کی جاتی تھی۔ اس تعلیمی ماحول نے علوی کے اندر وہ فکری و ذہنی بیداری پیدا کی جس نے انھیں ایک عام طالب علم کے بجائے ایک حساس اور باخبر نوجوان کے روپ میں ڈھال دیا۔ ان ابتدائی تعلیمی ایام ہی میں انھوں نے کلاسیکی فارسی ادب کی بنیادی تفہیم حاصل کی اور اپنی مادری زبان میں وہ مہارت پیدا کی جو بعد میں ان کی نگارشات کی نمایاں خصوصیت بن کر سامنے آئی۔

بزرگ علوی کی فکری و علمی شخصیت میں سب سے بڑا انقلاب جرمنی میں ان کی رہائش اور وہاں کی اعلیٰ درسگاہوں سے تعلیم کا حصول ہے۔ ۱۹۱۸ء میں صرف ۱۵ سال کی عمر میں وہ اپنے گھر والوں کے ہمراہ جرمنی چلے گئے۔ وہاں بنیادی اسکولنگ کے بعد انھوں نے برلن کی ایک نامور یونیورسٹی سے "پیڈاگوجی" (علمِ تعلیم و تربیت) کے میدان میں اپنی ڈگری مکمل کی[۱۰]۔ اس زمانے میں جرمنی عالمی سطح پر نفسیات، فلسفیانہ افکار اور جدید تعلیمی رجحانات کا سب سے بڑا مرکز مانا جاتا تھا۔ جرمنی میں قیام کے دوران انھوں نے نہ صرف دور حاضر کے علوم سے استفادہ کیا بلکہ جرمن لسانیات اور ادبیات پر بھی عبور حاصل کر لیا۔

اعلیٰ تعلیم نے بزرگ علوی کے فکری زاویوں کو غیر معمولی وسعت عطا کی۔ علمِ تدریس و تربیت کے گہرے مطالعے نے انھیں انسانی نفسیات، فکری رجحانات اور سماجی انحطاط کے محرکات کو باریک بینی سے سمجھنے کے قابل بنایا۔ یہی سبب ہے کہ جب انھوں نے فکشن نگاری کے میدان میں قدم رکھا، تو ان کے تخلیق کردہ کرداروں میں گہری نفسیاتی پرچھائیاں اور معنویت نمایاں طور پر نظر آتی تھی۔ انھوں نے جرمن ادب کے نامور مصنفین بالخصوص گوئٹے اور شیلر کی تصانیف کا جرمن زبان میں ہی مطالعہ کیا، جس نے ان کے جمالیاتی و ادبی ذوق کی تہذیب میں کلیدی کردار ادا کیا۔ وہ ۱۹۲۸ء میں ایران واپس چلے گئے[۱۱]۔ ان کا یہی ممتاز تعلیمی پس منظر تھا جس کی بنیاد پر انھوں نے پہلے تہران یونیورسٹی میں تدریسی خدمات سرانجام دیں اور بعد ازاں جلاوطنی کے کٹھن دور میں بھی جرمن یونیورسٹی میں اپنی علمی اور تدریسی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔

بزرگ علوی کا شمار محض ایک روایت پسند قلم کار کے طور پر نہیں ہوتا۔ وہ معاشرتی اصلاح اور سیاسی انقلاب کے شدید متمنی تھے۔ اسی فکری لگاؤ کے باعث وہ ڈاکٹر تقی ارانی کی جانب راغب ہوئے، جو اس زمانے میں اشتراکی نظریات کی ترویج میں فعال تھے[۱۲]۔ ۱۹۳۷ء میں ایرانی حکومت نے ڈاکٹر ارانی اور ان سے وابستہ حلقے کے خلاف کارروائی کی، جس کے نتیجے میں بزرگ علوی سمیت ترپین (۵۳) افراد کو قید کر لیا گیا[۱۳]۔ علوی کو سات برس قید کی سزا سنائی گئی۔ یہ عرصہ ان کے لیے شدید مصائب کا حامل تھا۔ ایامِ قید میں اگرچہ انھیں قرطاس و قلم کی سہولت میسر نہ تھی، مگر وہ سگریٹ کی ڈبیوں اور کاغذ کے ٹکڑوں پر اپنے تجربات و مشاہدات قلم بند کرتے رہے۔ جیل میں گزرے یہ ایام ان کے تخلیقی سفر میں پختگی اور نکھار کا سبب بنے۔

بزرگ علوی کی نجی زندگی جذباتی نشیب و فراز سے عبارت رہی ہے۔ انھوں نے ۱۹۳۶ء میں ایک جرمن دندان ساز کی بیٹی "گیتا" سے رشتۂ ازدواج استوار کیا[۱۴]۔ ابھی اس ازدواجی بندھن کو محض دو برس ہی بیت پائے تھے کہ علوی قید ہو گئے۔ قید و بند کی طوالت، کٹھن حالات اور سیاسی غیر یقینی صورت حال نے ان کے گھریلو روابط پر منفی اثرات مرتب کیے۔ اسیر زندان ہونے کے اسی

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www.al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

دورانیے میں ان کی اہلیہ نے راہیں جدا کرنے کا حتمی فیصلہ کر لیا۔ بزرگ علوی کی ازدواجی زندگی کا یہ پہلا ورق جتنا مختصر تھا، اسی قدر تلخ بھی ثابت ہوا۔ یہ سانحہ علوی کے لیے شدید ذاتی و جذباتی صدمے کا باعث بنا، کیونکہ وہ ایک ایسے دور سے گزر رہے تھے جہاں ایک طرف نظریاتی پاداش میں قید کاٹنا مقدر تھی، تو دوسری طرف ان کا قلبی سکون بھی تار تار ہو چکا تھا۔ یہ بیٹے لمحے ان کی حیاتِ مستعار کے اس مشکل ترین دور کی عکاسی کرتے ہیں جب وہ بیک وقت سیاسی اور جذباتی، دونوں محاذوں پر سخت آزمائشوں سے نبرد آزما تھے۔

پہلی ازدواجی زندگی کے ناخوشگوار انجام کے بعد، انھوں نے اپنی کزن فاطمہ علوی سے عقدِ ثانی کیا[۱۵]۔ اس رشتے سے ان کے ہاں ایک بیٹے کی ولادت ہوئی، جس کا نام 'مانی' رکھا گیا۔ مانی نے جرمنی سے فزکس کے شعبے میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ آگے چل کر ۱۹۵۶ء میں علوی کی خانگی زندگی میں ایک نیا موڑ اس وقت آیا جب وہ ایک جرمن خاتون کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئے[۱۶]۔ عقد کے بعد یہ خاتون گرٹروڈ علوی (Gertrud Alavi) کے نام سے معروف ہوئیں[۱۷]۔ گرٹروڈ نے صرف ہم سفر کا فرض ہی ادا نہیں کیا، بلکہ علوی کی فکری، علمی اور ادبی سرگرمیوں میں بھی ایک تحرک بخش اور مضبوط سہارا بنی رہیں۔

قید کے صعوبت بھرے حالات نے بزرگ علوی کو ایسا اچھوتا موضوع فراہم کر دیا جو اس سے پہلے فارسی کے نثری افق پر نمودار نہیں ہوا تھا۔ ۱۹۴۱ء میں جب وہ قید سے آزاد ہوئے[۱۸]، تو انھوں نے ایامِ قید کے دوران جمع کردہ مواد کو "ورق پارہ‌های زندان (۱۹۴۱ء)" اور "پنجاہ و سہ نفر (۱۹۴۲ء)" کی صورت میں مدون کر کے شائع کروایا۔ ان نگارشات نے ایرانی ادبی تاریخ میں "ادبیاتِ زندان" (Prison Literature) کی بنیاد رکھی۔ قید خانے کی چہار دیواری کے اندر جنم لینے والے انسانی جذبات، جبر سے نبرد آزمائی، اور خوف و امید کی باہمی کشمکش کو انھوں نے جس چابک دستی سے رقم کیا، اس نے انھیں فکرِ نو کے علمبردار ادیب کے طور پر تسلیم کروالیا۔ ان کی یہ تحریریں محض داستانیں نہیں بلکہ اس عہد کے سیاسی استبداد کے خلاف ایک مستند تاریخی شہادت کا درجہ رکھتی ہیں۔

بزرگ علوی کی زندگی کا بڑا حصہ جلاوطنی کی نذر ہو گیا، جس کا آغاز ۱۹۵۳ء میں ایران کے سیاسی انقلاب اور تبدیلیوں کے بعد ہوا۔ ملکی فضا کی ناگوار صورتحال اور اپنی فکری و سیاسی وابستگیوں کے باعث ان کا وطن لوٹنا ممکن نہ رہا، جس کے نتیجے میں انھوں نے جرمنی کو اپنا مستقل ٹھکانہ بنالیا[۱۹]۔ یہ جلاوطنی ان کے لیے ایک نئے فکری و تحقیقی دور کا نقطۂ آغاز ثابت ہوئی، جہاں انھوں نے اپنے وطن سے دور رہ کر ربع صدی سے زائد عرصے تک فارسی ادبیات کی ترویج کی اور ساتھ ہی ایرانی تہذیب کو دیارِ مغرب میں شناسا کرانے کے لیے ایک مستحکم رابطے کا فریضہ انجام دیا۔ اس عرصے نے ان کی علمی فکر کو وہ وسعت اور گہرائی عطا کی جس کی بدولت وہ صرف ایک حریت پسند ادیب ہی نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح کے دانشور کے روپ میں سامنے آئے۔

بزرگ علوی نے افسانہ نگاری اور ادبی تخلیقات کے ساتھ ساتھ تعلیم و تدریس کے میدان میں بھی گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ دیارِ غیر میں قیام کے دوران بزرگ علوی نے اپنی پوری فکری توجہ کو علمی و تدریسی کاموں کے لیے وقف کر دیا۔ وہ برلن کی معروف ہمبولٹ یونیورسٹی کے شعبۂ تدریس سے منسلک ہوئے، جہاں انھوں نے اپنی کارکردگی کا آغاز بطور اسسٹنٹ پروفیسر کیا[۲۰]۔ ان کے علمی معیار اور فارسی لسانیات پر گہرے عبور کی بدولت بہت جلد انھیں اسی جامعہ میں پروفیسر کے اعلیٰ منصب پر سرفراز کیا گیا۔ بعد ازاں

۱۲ ستمبر ۱۹۶۳ء کو انھیں ہمبولٹ یونیورسٹی کے ایشیائی ادارے میں "ایران شناسی (Persian Studies) "کے شعبے کی صدارت سونپی گئی[۲۱]۔اس علمی عہدے پر متمکن رہتے ہوئے انھوں نے نہ صرف فارسی ادبیات کی تدریس کے فرائض انجام دیے، بلکہ جرمن زبان میں کئی نصابی کتب اور لغات بھی مدون کیں، تاکہ مغربی دنیا کے محققین اور طلبہ کے لیے فارسی ادب سے مستفید ہونا ممکن ہو سکے۔

ایک طویل اور ممتاز تدریسی سفر طے کرنے کے بعد، بزرگ علوی ۴ جنوری ۱۹۶۹ء کو ہمبولٹ یونیورسٹی سے باضابطہ طور پر سبکدوش ہوگئے[۲۲]۔ تاہم، اس ریٹائرمنٹ کا مطلب ان کی علمی و تحقیقی تگ و دو کا خاتمہ ہرگز نہ تھا۔ وہ اپنی حیات کے آخری ایام تک بطور "ایڈوائزر پروفیسر" اور محقق اپنے علمی فرائض انجام دیتے رہے۔ جرمنی میں مقیم رہتے ہوئے انھوں نے فارسی سے جرمن اور جرمن سے فارسی زبان میں ترجمہ نگاری کا کام کیا جو آج بھی دونوں زبانوں کے ادب اور تہذیب کے مابین مضبوط و پائیدار رابطے کا ذریعہ شمار ہوتا ہے۔

بزرگ علوی کے علمی اثرات صرف ہمبولٹ یونیورسٹی کے حدود تک ہی محدود نہ رہے، بلکہ انھوں نے ایک معتبر جرمن انسائیکلوپیڈیا کے لیے ایران کے تیس نامور معاصر قلم کاروں کے احوالِ زندگی اور ان کی معرکہ آرا تخلیقات پر تفصیلی مقالے قلم بند کیے۔ انھوں نے عالمی شہرت یافتہ درسگاہوں، مثلاً آکسفورڈ یونیورسٹی (انگلینڈ) اور ہارورڈ یونیورسٹی (امریکہ) میں بطور مہمان پروفیسر گرانقدر لیکچرز دیے۔ علاوہ ازیں، انھوں نے گوٹنگن، ہیمبرگ، کوپن ہیگن اور اسٹاک ہوم جیسے ممتاز یورپی تعلیمی مراکز میں ایران کے درپیش مسائل اور اس کی ادبیات پر اپنے تحقیقی افکار سے طلبہ اور اساتذہ کو مستفید کیا۔

بزرگ علوی کی اس متحرک علمی اور تخلیقی زندگی کا خاتمہ جلاوطنی کے ایام میں جرمن زمین پر ہی ہوا۔ وہ ۱۶ فروری ۱۹۹۷ء کو ۹۳ برس کی عمر میں برلن کے ایک ہسپتال میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے[۲۳]۔ اگرچہ جلاوطنی کے طویل عرصے کے دوران ان کی فکر اور جذباتی وابستگی مسلسل اپنے وطن ایران سے جڑی رہی، لیکن ان کی تدفین برلن ہی کی خاک میں عمل میں آئی۔

بزرگ علوی کے آثار:

بزرگ علوی محض ایک افسانہ نگار نہیں تھے، بلکہ وہ ایک ایسے مفکر تھے جنھوں نے فارسی نثر کو زندگی کی تلخ حقیقتوں سے جوڑا۔ ان کے آثار ان کے سخت تجربات کا نچوڑ ہیں، جن میں جیل کی سختیاں، جلاوطنی کا دکھ اور ایک استاد کی علمی پختگی صاف نظر آتی ہے۔ انھوں نے جہاں فارسی زبان میں شاہکار تخلیق کیے، وہیں ترجمے کے فن کے ذریعے مشرق اور مغرب کے درمیان ایک ادبی پل بھی تعمیر کیا۔ علوی کا قلم ہمیشہ سماجی انصاف اور انسانی حقوق کی وکالت کرتا رہا، یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریریں آج بھی جدید فارسی ادب میں ایک مستند حوالے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ذیل میں ان کے اہم آثار حروفِ تہجی کی ترتیب سے درج کی جاتی ہیں:

ازبک ہا(۱۹۴۸ء):

بزرگ علوی کی یہ کتاب ۱۹۴۸ء میں تہران سے شائع ہوئی۔ اس میں ازبکستان کی تاریخ اور جغرافیہ اور ازبکوں کی مفصل معلومات دی گئی ہیں[۲۴]۔

پنجاہ وسہ نفر (۱۹۴۲ء):

اس کتاب میں علوی نے ان سیاسی حالات اور واقعات کا ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے انھیں اور ان کے ۵۲ ساتھیوں کو گرفتار کیا گیا تھا۔ یہ محض ایک کتاب نہیں بلکہ اس دور کی سیاسی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔

چشم ہایش (۱۹۵۲ء):

چشم ہایش (اسکی آنکھیں) بزرگ علوی کا سب سے مشہور اور شاہکار ناول ہے جو ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا۔ اس ناول کی کہانی ایک پر اسرار عورت کی آنکھوں کی تصویر کے گرد گھومتی ہے جسے ایک عظیم مصور "ماکان" نے بنایا ہوتا ہے۔ بزرگ علوی نے خود اس کا جرمن زبان میں ترجمہ بھی کیا۔

چمدان (۱۹۳۴ء):

چمدان بزرگ علوی کا پہلا افسانوی مجموعہ ہے جو 1934ء میں منظرِ عام پر آیا۔ یہ کتاب چھ مختصر افسانوں پر مشتمل ہے۔ ان کے نام یہ ہیں: چمدان، قربانی، عروسِ ہزار داماد، تاریخچۂ اتاقِ من، سربازِ سربی، اور مردی کہ پالتوی شیک تنش بود[۲۵]۔

دیو دیو (۱۹۷۸ء):

دیو دیو بھی بزرگ علوی کا ایک افسانوی مجموعہ ہے۔ اس میں کل تین افسانے شامل ہیں۔ دیو دیو، وبا، یکہ و تنہا[۲۶]۔

سالاری ہا (۱۹۷۹ء):

سالاری ہا ایک خاندانی داستان ہے جس میں بزرگ علوی نے ایران کے ایک بڑے خاندان کی کئی نسلوں کے حالات بیان کیے ہیں۔ اس ناول کے ذریعے انھوں نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پرانی اقدار کس طرح تبدیل ہوتی ہیں۔

سرزمینِ گل و بلبل (Das Land der Rosen und Nachtigallen) (۱۹۵۷ء):

جرمن زبان میں لکھی جانے والی اس خوبصورت عنوان والی کتاب میں بزرگ علوی نے ایرانی ثقافت، تمدن اور وہاں کے سماجی ڈھانچے پر مفصل بات کی۔ یہ کتاب جرمن عوام کے لیے ایران کو سمجھنے کا ایک بہترین ذریعہ ثابت ہوئی اور اس سے علوی کی جرمن زبان پر مہارت کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔

کسب و کارِ خانم وارن (۱۹۲۸ء):

انگریزی زبان کے ممتاز مفکر اور ڈرامانویس جارج برنارڈ شا کے معروف ڈرامے "Mrs. Warren's Profession" کو بزرگ علوی نے "کسب و کارِ خانم وارن" کے نام سے فارسی میں منتقل کیا۔

موریانہ (۱۹۸۹ء):

موریانہ (دیمک) ناول علوی نے اپنی زندگی کے آخری برسوں میں لکھا۔ اس میں انھوں نے ایرانی معاشرے کے اندرونی بگاڑ اور اخلاقی گراوٹ کو دیمک سے تشبیہ دی ہے جو خاموشی سے پورے نظام کو چاٹ رہی ہوتی ہے۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www.al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

میرزا (۱۹۷۸ء):

میرزا بزرگ علوی کا افسانوی مجموعہ ہے۔ اس مجموعے میں پانچ افسانے ہیں: آب، میرزا، تحت الحنکی، احسن القصص اور دربدر[۲۷]۔

نامہ ہا(۱۹۵۱ء):

یہ مجموعہ ۱۹۵۱ء میں شائع ہوا۔ یہ مجموعہ نو افسانوں پر مشتمل ہے جن کے عنوان اس طرح ہیں: نامہ ھا، گیلہ مرد، اجارہ خانہ، دزاشوب، بہ رہ نچکار، یک زن خوشبخت، رسوائی، خاین، اور پنج دقیقہ پس از دوازدہ[۲۸]۔

ورق پارہ ہای زندان (۱۹۴۱ء):

ورق پارہ ہای زندان ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا۔ یہ اثر انگیز مجموعہ پانچ افسانوں پر مشتمل ہے: پادنگ، ستارۂ دنبالہ دار، انتظار، عفوِ عمومی، اور رقصِ مرگ[۲۹]۔

بزرگ علوی نے صادق ہدایت کے معروف آثار حاجی آقا، افسانۂ آفرینش وغیرہ کے جرمن ترجموں پر جرمن زبان میں اختتامیے لکھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے فارسی سے جرمن اور دیگر زبانوں سے فارسی میں تراجم اور مقالات بھی شائع کیے[۳۰]۔

کسی بھی بڑے ادیب کے فن کو پرکھنے کے لیے اس کے ہم عصروں اور بعد میں آنے والے نقادوں کی رائے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ بزرگ علوی کا شمار بھی ان قلم کاروں میں ہوتا ہے جن کی تحریروں نے اپنے دور کے ادبی اور فکری حلقوں میں ایک انقلاب برپا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کہانیوں اور اسلوب پر فارسی اور عالمی ادب کے ماہرین نے کھلے دل سے گفتگو کی ہے۔ ان کی تحریروں کے بارے میں مختلف اہلِ ادب اور نقادوں کی آراء کی تفصیل درج ذیل ہے:

بزرگ علوی کے ناول چشم ہائش کے بارے میں حسن عابدینی لکھتے ہیں کہ "چشمہایش" کی اشاعت نے بڑا تلاطم پیدا کیا اور بیک وقت بہت سی تعریف اور تنقید کا مرکز بنا۔ کچھ نقادوں نے ناول کے نظریاتی پس منظر کو یہ کہتے ہوئے پریشان کن اور منفی تاثر کا باعث قرار دیا کہ اس سے کہانی محض سیاسی بیان بن جاتی ہے۔[۳۱]

بزرگ علوی کی کہانیوں کے بارے میں ڈاکٹر حمید عبد اللہیان لکھتے ہیں کہ بزرگ علوی اپنے ہمعصروں کی طرح مغربی فکشن سے حاصل کردہ ہنر کی بدولت اس فن کے پیشروں میں شمار ہوتے ہیں۔ علوی کے بہترین تحفوں میں سے ایک "داستان پلیسی" ہے۔ زیادہ تر لوگوں نے اسے اس طرز کے فکشن کا پیشرو کہا ہے کیونکہ اس کی کہانیاں عموماً ایک الجھن سے شروع ہوتی ہیں۔ ہر کہانی کے آغاز میں ایک راز چھپا ہوا ہے اور کہانی کا ایک کردار جو اکثر راوی ہوتا ہے، کہانی سناتا ہے۔ اس لیے اس کی کہانیاں شاید آخر سے شروع ہوتی ہیں، حادثات رونما ہوتے ہیں، اور کرداروں کی گفتگو یا ذہنی حالت سے راز آشکار ہو جاتا ہے۔ اس کا ناول "چشمہایش" اسی خوبی کا مرقع ہے۔ اس طرح کے دیگر نمونوں میں "رقص مرگ"، "تاریخچۂ اتاقِ من"، "میرزا" اور "خائن" شمار کیے جاسکتے ہیں[۳۲]۔

رضیہ اکبر بزرگ علوی کی کہانی کے بارے میں اپنے قلم سے یہ الفاظ نکالتی ہیں:

علوی ۲۰ ویں صدی کے ان معدودے چند لکھنے والوں میں سے ہے جنھوں نے مختصر کہانی کی جدید تکنیک کو بہت کامیابی سے اپنایا ہے۔ محمد علی جمالزادہ اور صادق ہدایت نے فارسی میں مختصر کہانی کی جو بنیاد ڈالی تھی، سب سے پہلے علوی نے اس پر ایک بہت حسین جاذبِ نظر عمارت کھڑی کی کہانی کے فن کو نئی اقدار سے آشنا کیا۔[۳۳]

بزرگ علوی کے بارے میں علی قاسم نژاد نے کچھ یوں لکھا:

> پس از صادق هدایت باید بزرگ علوی (۱۲۸۳-۱۳۷۵ش) نویسندۀ واقع گرای اجتماعی را شاخص ترین و تاثیر گذارترین چهره در قلمرو داستان کوتاه نویسی قلمدار کرد- [۳۴]

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو بزرگ علوی جدید فارسی نثر اور داستان گوئی کا ایک ایسا روشن باب ہیں جن کی تحریریں نہ صرف فنی اور جمالیاتی اعتبار سے شاہکار کا درجہ رکھتی ہیں، بلکہ اپنے عہد کے سیاسی، سماجی اور فکری تحرکات کی حقیقی عکاسی بھی کرتی ہیں۔ انھوں نے تہران کی درسگاہوں سے تعلیمی سفر کا آغاز کیا، جرمنی میں اعلیٰ تعلیم کے دوران جدید یورپی افکار سے روشناس ہوئے، اور وطن واپسی پر اپنی تحریروں کے ذریعے ایرانی معاشرے کی سیاسی گھٹن اور ناہمواریوں کے خلاف آواز بلند کی۔ ان کا یہ فکری سفر محض نظری حد تک محدود نہ رہا بلکہ انھیں سیاسی وابستگی کی پاداش میں قید و بند کی سختیاں بھی برداشت کرنا پڑیں، جس نے ان کے قلم کو ایک نئی تخلیقی جلا اور حقیقت پسندی عطا کی۔

بزرگ علوی کا تعلیمی سفر، ایامِ قید کی پختگی، جلاوطنی کا کرب اور بحیثیتِ استاد ان کا علمی مرتبہ، یہ تمام مراحل مل کر ایک ایسی کثیر الجہت شخصیت تشکیل دیتے ہیں جس نے اپنی تمام تر توانائیاں ادب، انسانی حقوق اور فارسی زبان کی خدمت کے لیے وقف کر دیں۔ ان کی زندگی اور تحریری گواہیاں آج بھی جدید فارسی ادب کے مطالعے میں ایک مستند اور ناگزیر حوالے کے طور پر زندہ ہیں۔

☆☆☆☆☆

حواشی

۱۔ نژاد، علی قاسم، "داستان کوتاہ"، فرہنگنامۂ ادب فارسی جلد دوم (سرپرست: حسن انوشہ)، (تہران: وزارت فرہنگ و ارشادات اسلامی سازمان چاپ وانتشارات، ۱۳۷۶ش)، ص ۵۷۷

۲۔ ظہور الدین احمد، ایرانی ادب (اسلام آباد: مرکزِ تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ۱۳۷۵ش)، ص ۲۶۶

3. Kamshad, Hassan; Mozaffari, Nahid, "*Jamalzadeh, Mohammad-Ali ii. Work*", (Encyclopaedia Iranica, 2008), p 2

۴۔ استعلامی، محمد، بررسی ادبیات امروز ایران، مترجم: رئیس احمد نعمانی (علی گڑھ: گوشۂ مطالعات فارسی، ۲۰۱۳ء)، ص ۱۷۶

5. Katouzian, Homa, "*Hedayat, Sadeq i, Life And Work*", (Encyclopaedia Iranica, 2003), p 7

۶- علوی، بزرگ، چمدان (تہران: کتابخانہ و مطبع دانش، ۱۳۱۳ش)

۷۔ رضیہ اکبر، ایران میں جدید فارسی ادب کے پچاس سال (حیدر آباد: اعجاز پریس، ۱۹۹۱ء)، ص ۱۴۰

۸۔ رحیمیان، ہرمز، آشنایی با ادبیات معاصر ایران (تہران: دانشگاہ پیام نور، ۱۹۹۴ء)، ص ۸۹

Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

۹۔ عبداللہیان، حمید، کارنامۂ نثر معاصر (تہران: انتشارات پایا، ۲۰۰۰ء)، ص ۵۲

۱۰۔ بہارلو، محمد، "سال شمار زندگی بزرگ علوی"، برگزیدۂ آثار بزرگ علوی (تہران: نشر علم، ۱۳۷۷ش)، ص ۵۱۲

11- Mir ‘Abedini, Hassan (2009), “*Alavi, Bozorg*”, (Encyclopedia Iranica, 2009), p 2

۱۲۔ ایضاً، ص ۴

۱۳۔ بہارلو، محمد، "سال شمار زندگی بزرگ علوی"، برگزیدۂ آثار بزرگ علوی (تہران: نشر علم، ۱۳۷۷ش)، ص ۵۱۴

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ ایضاً، ص ۵۱۶

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ ایضاً، ص ۵۱۴

۱۹۔ ایضاً، ص ۵۱۵

۲۰۔ ایضاً، ص ۵۱۶

۲۱۔ ایضاً، ص ۵۱۸

۲۲۔ ایضاً، ص ۵۱۹

۲۳۔ عبداللہیان، حمید، کارنامۂ نثر معاصر (تہران: انتشارات پایا، ۲۰۰۰ء)، ص ۵۲

۲۴۔ منظر امام، ادبیات جدید ایران (مظفرپور: کتابستان، ۱۹۸۴ء)، ص ۳۳۷

۲۵۔ علوی، بزرگ، چمدان (تہران: کتابخانہ و مطبع دانش، ۱۳۱۳ش)

۲۶۔ علوی، بزرگ، دیودیو، (تہران: موسسۂ انتشارات امیر کبیر، ۱۹۷۸ء)

۲۷۔ علوی، بزرگ، میرزا (ایران: سازمان انتشارات جاویدان، ۱۹۷۸ء)

۲۸۔ علوی، بزرگ، نامہ ہا (ایران: سازمان انتشارات جاویدان، ۱۹۵۱ء)

۲۹۔ بزرگ علوی، ورق پارہ ہای زندان (تہران: موسسۂ انتشارات، ۱۹۴۱ء)

30. Mir’ Abedini, Hassan, “*Alavi, Bozorg*”, (Encyclopedia Iranica, 2009), p12

۳۱۔ ایضاً، ص ۷

۳۲۔ عبداللہیان، حمید، کارنامۂ نثر معاصر (تہران: انتشارات پایا، ۲۰۰۰ء)، ص ۵۴

۳۳۔ رضیہ اکبر، ایران میں جدید فارسی ادب کے پچاس سال (حیدرآباد: اعجاز پریس، ۱۹۹۱ء)، ص ۱۴۱

۳۴۔ قاسم نژاد، علی، "داستان کوتاہ"، فرہنگنامۂ ادب فارسی جلد دوم (سرپرست: حسن انوشہ)، (تہران: وزارت فرہنگ و ارشادات اسلامی سازمان چاپ و انتشارات، ۱۳۷۶ش)، ص ۵۷۷

Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

Bibliography

- Abdulihan, Hameed, *Karnama-e-Nasar-e-Muasar*, (Tehran: Intasharat e Payan, 2000)
- Ahmad, Zahoor Ul Deen, *Irani Adab*, (Islamabad: Markaz e Tahqiqat Farsi Iran w Pakistan, 1996)
- Baharlu, Muhammad, "*Saal Shumar-e-Zindgi-e-Bozorg Alavi*", Barguzida e Aasaar Bozorg Alavi, (Tehran: Nashar e Ilm, 1998)
- Bozorg Alavi, *Chamdan*, (Tehran: KitabKhana o Mutab e Danish, 1934)
- Bozorg Alavi, *Deive Deive*, (Tehran: Muasasa e Intasharat Ameer Kabeer, 1978)
- Bozorg Alavi, *Meerza*, (Iran: Sazman-e-Intasharat e Javaidan, 1951)
- Bozorg Alavi, *Nameh Ha*, (Iran: Sazman-e-Intasharat e Javaidan, 1951)
- Bozorg Alavi, *Waraq Para Haye Zindan*, (Tehran: Muasasa-e-Intasharat, 1941)
- Kamshad, Hassan; Mozaffari, Nahid, "*Jamalzadeh, Mohammad-Ali ii. Work"*, (Encyclopaedia Iranica, 2008), https://www.iranicaonline.org/articles/jamalzadeh-ii/
- Katouzian, Homa, "*Hedayat, Sadeq i, Life and Work*", (Encyclopaedia Iranica, 2003), https://www.iranicaonline.org/articles/hedayat-sadeq-i/
- Manzar Imam, *Adbiyat-e-Jadeed-e-Iran*, (Muzaffarpur: Kitabastan, 1986)
- Mir'abedini, Hasan (2009), "*Alavi, Bozorg*," Encyclopædia Iranica, https://doi.org/10.1163/2330-4804_EIRO_COM_683
- Neyad, Ali Qasim, "*Dastan-e Kotah*", Farhangnameh-e-Adab-e-Farsi, Vol.2, (Tehran: Wazarat e Farhang o Irshadat e Islami Sazman Chap o Intasharat, 1376)
- Raheemyan, Hurmuz, *Aashnai Ba Adbiyat-e-Muasar-e-Iran*, (Tehran: Danishgah e Piam e Noor, 1994)
- Razia Akbar, *Iran Main Jadeed Farsi Adab K Pachas Sal*, (Haiderabad: Ijaz Press, 1991)